قسط پنجم

آدھی صدی کا سفر

مکرم عرفان احمد خان صاحب۔ جرمنی

جرمنی میں پہلی خدمت کی سعادت

شدید سرد موسم میں نئے ملک میں باہر جانے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ وقت گزارنے کے لیے مشنری انچارج صاحب سے درخواست کی کہ کوئی کام ہی بتا دیں۔ مکرم فضل الٰہی انوری صاحب نے فرمایا کہ مشن ہاؤس میں مرکز سے جتنے بھی اخبار رسائل آتے ہیں وہ دفاتر اور تہ خانہ میں بکھرے ہوئے ہیں ان کو جمع کر کے ہر سال کا بنڈل علیحدہ بناؤں۔ چنانچہ میں اس پہلی خدمت میں مصروف ہوگیا۔ ربوہ سے شائع ہونے والے تمام اخبارات و رسائل یہاں آتے تھے ان کو تلاش کر کے اکٹھا کرنے اور ہر پرچہ کا پورے سال کا بنڈل بنانے میں ایک ہفتہ سے زائد وقت صَرف ہوگیا۔ اس کام سے فارغ ہوا تو انوری صاحب نے پوچھا خط لکھ لیتے ہو۔ میرے ہاں کہنے پر انہوں نے مجھے اردو کے خطوط املاء کروانے شروع کئے۔ قارئین کے لئے یہ بات شاید دلچسپی کا باعث ہو کہ 1972ء میں یورپ میں فوٹو کاپی کا استعمال اتنا عام نہیں تھا۔ فرانکفرٹ کے وسط میں جو بڑا پوسٹ آفس تھا وہاں پبلک کے استعمال کے لئے فوٹو کاپی مشین موجود تھی اور ایک فوٹو کاپی ایک مارک کے عوض ہوتی تھی جبکہ اندرون ملک خط بھجوانے کی ڈاک ٹکٹ چالیس پینی اور پاکستان خط ایک مارک بیس پینی میں جاتا تھا۔ ایک مارک میں فوٹو کاپی کا فرانکفرٹ مشن متحمل نہیں تھا۔ اس لئے انوری صاحب کاربن پیپر استعمال کیا کرتے۔ یہی حال ہدایت اللہ ہیوبش صاحب کا تھا کہ ٹائپ کرتے وقت کاربن پیپر کا استعمال ضرور کرتے تھے۔ تین نوجوان جو مشن ہاؤس میں قیام پذیر تھے ان کو وعظ و نصیحت کے علاوہ مکرم انوری صاحب اس بات کی نگرانی بھی کرتے کہ پانی کا بے جا استعمال نہ ہو۔ مسجد میں ہیٹنگ صرف نمازوں کے اوقات میں چلائی جاتی۔ جمعہ کے روز نمازیوں میں عرب اور دوسری قومیتوں کے مہمان بھی شامل ہوتے اس لئے ہیٹنگ بروقت چلا دی جاتی تا سردی میں آنے والے مہمانوں کو شکایت نہ ہو۔ جب تک ہمارے مشن خود کفیل نہ ہوئے ہمارے مبلغین نے ان کڑے وقتوں میں اپنی زندگی بسر کی۔

پردیس میں پہلی آزمائش

سمبا اینڈ کمپنی میں چند روزہ ملازمت کے بعد مَیں واپس اپنی پرانی روٹین پر واپس آ گیا۔ مکرم انوری صاحب کا مددگار بن کر بہت کچھ سیکھنے کا موقع مل رہا تھا کہ درمیان میں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آ گیا۔ ہم تین ہم عمر نوجوان جو مشن ہاؤس میں مقیم تھے ان کی نگہداشت، اور روزمرہ کے معمولات پر انوری صاحب کی نگاہ ہوتی تھی۔ ساؤتھ ایشیاء کے جو چند سو نوجوان اس علاقے میں آباد تھے ان کی سوشل اور ثقافتی زندگی بہت محدود تھی۔ لوگ زیادہ تر کام کی تلاش میں رہتے جس کا جو دن روزگار میں گزر جاتا وہ پھولے نہ سماتا۔ سٹوڈنٹ ویزا پر مستقل روزگار کا کوئی امکان نہ تھا۔ اچانک یہ بات سننے میں آئی کہ اتوار کے روز انڈین فلم پاکیزہ کربل سینما میں لگے گی۔ جن حالات میں نوجوان یہاں رہتے تھے یہ ایک بڑی خبر تھی۔ اس کی گونج یقیناً انوری صاحب کے کانوں تک بھی پہنچی ہوگی۔ انہوں نے ہم تینوں کو بلا کر کہا کہ اتوار کے روز تم تینوں مشن ہاؤس میں موجود رہو گے۔ کوئی میری اجازت کے بغیر باہر نہیں جائے گا۔ اتوار آئی تو تینوں میں سے ایک دوست بغیر اجازت لئے باہر چلے گئے۔ دوپہر نمازوں پر انوری صاحب نے دیکھ تو لیا لیکن کہا کچھ نہیں۔ عشاء کے بعد ہم تینوں کو دفتر میں طلب کیا۔ ہم لوگ پیش ہوگئے۔ فرید عارف صاحب بہت رونقی، نڈر، حاضر جواب اور بچپن سے اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے والوں میں سے ہیں۔ وہ دوپہر کو نہیں تھے۔ انوری صاحب نے ان کو مخاطب کر کے پوچھا کہ اجازت لئے بغیر کہاں گئے تھے۔ انہوں نے بڑے اطمینان سے جواب دیا ''خالہ مینا کماری سے ملنے گیا تھا'' اس کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ انوری صاحب کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ انہوں نے ہم تینوں کو مشن ہاؤس سے نکل جانے کا حکم جاری کر دیا۔ ہم دو جو اتوار کے روز مشن ہاؤس میں موجود رہے، نے بہت معافیاں مانگیں لیکن ہم اس لئے سزاوار ٹھہرے کہ فرید کے نکلتے ہی ہم نے رپورٹ کیوں نہ کی۔ جب کچھ پیش نہ گئی تو فروری کی سردی کی رات مشن ہاؤس سے باہر آ گئے۔ فرید عارف صاحب اپنے انڈین دوست پرکاش کی طرف چلے گئے۔ چودھری ظہیر صاحب اوفن باخ اپنے کسی جاننے والے کے ہاں چلے گئے۔ مَیں جس کو آئے ابھی دو ماہ نہیں گزرے تھے اور کسی تیسرے فرد کو جانتا نہ تھا سڑک پر آ گیا۔ مسجد کے قریب 36 نمبر بس کا آخری سٹاپ ہے جو برآمدہ نما چھتا ہوا ہے۔ اس کے بینچ پر آ کر بیٹھ گیا۔ سردی سے کپکپاتا دیکھ کر دو چار ڈرائیورز نے کچھ کہا تو زبان سے عدم

واقفیت کی بناء پر نہ کچھ سمجھ پایا نہ سمجھا پایا۔ رو رو کر خدا سے مدد کی التجائیں کی۔ آدھی رات کو خدا نے میری التجا قبول کی۔ جو آخری بس آئی اس سے ایک احمدی دوست عارف خان صاحب اُترے۔ وہ مجھے روتا اور سردی سے کپکپاتا دیکھ کر گھبرا گئے۔ اور پنجابی زبان میں ' کی ہوگیا؟ کی ہوگیا؟' کہتے ہوئے مجھ سے چمٹ گئے۔ مَیں نے پوری رام کہانی بیان کی۔ عارف صاحب کا تعلق لاہور سے تھا۔ انوری صاحب کے ہم عمر تھے۔ تین سو کلومیٹر دور Hannover شہر میں رہتے تھے۔ برٹش آرمی میں سویلین پوسٹ پر تھے۔ انوری صاحب کے پاس اکثر آتے رہتے تھے۔ زبان سے عدم واقفیت کی وجہ سے عارف صاحب بنک میں اکاؤنٹ نہیں کھولتے تھے۔ انوری صاحب کے پاس امانت رکھواتے تھے۔ جن دنوں یہاں آتے انوری صاحب کے کچن۔ دھلائی ستھرائی کے سب کام اپنے ذمہ لے لیتے۔ دونوں میں بے تکلفی تھی۔ عارف صاحب اس رات میرے لئے رحمت کا فرشتہ بن کر آئے۔ مجھے وہ اپنے ساتھ مسجد لے آئے اور دروازہ کھولتے ہی زور سے انوری صاحب سے پنجابی میں مخاطب ہوئے ''تُسی مُنڈا مار دین لگے سو'' اس کے بعد دونوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی ہوگی اس کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں۔ عارف صاحب نے اس رات میری خوب خدمت کی۔ بیس سال قبل وہ کینیڈا چلے گئے اور وہاں ہی مدفون ہیں۔ اللہ ان کو کروٹ کروٹ جنّت نصیب کرے، آمین۔ وہ جب تک جرمنی میں رَہے ان کے ساتھ خاندانی تعلق رہا۔ انوری صاحب کا اپنا خیال تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک مجھے ساتھ لے گیا ہوگا۔ وہ رات پردیس میں میری پہلی آزمائش تھی۔ لیکن اس آزمائش کے بعد انوری صاحب مرحوم سے محبّت واحترام کا ایسا لازوال رشتہ قائم ہوا کہ آج بھی ان کی یاد کو دل میں بسائے پھرتا ہوں۔

مکرم انوری صاحب کی طرف سے دی جانے والی سزا ربوہ کے اس ماحول کے مطابق تھی جس میں ہم نے آنکھ کھولی اور پروان چڑھے۔ 1966ء میں جب ہم اپنے مکان محلہ دارالرحمت غربی ربوہ میں منتقل ہوئے تو مسجد ناصر میں نمازوں کی ادائیگی شروع کی۔ ہم اب تک مسجد مبارک کے ماحول سے مانوس تھے۔ مسجد ناصر میں پہلی صبح فجر کے درس کے بعد ایک بزرگ نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ دوست چند منٹ ابھی تشریف رکھیں۔ مَیں نے ضروری بات کرنی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مَیں مربی اطفال ہوں اور گزرنے والی رات میرا اپنا بیٹا چنیوٹ فلم دیکھ کر آیا ہے۔ مَیں احباب کے سامنے اپنے بیٹے کو سزا دے کر مثال قائم کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ بھری مسجد میں انہوں نے اپنے بیٹے کو اس کے ہاتھوں پر 6 بید مارے۔ بیٹے نے بھی اُف نہ کی۔ سزا قبول کی اور معافی مانگی۔ وہ بزرگ میر ریپیر شاپ کے نام سے ایک چھوٹی سی ورکشاپ چلاتے تھے۔ ایسے اعلیٰ کردار ربوہ کے ہر گلی محلہ میں بکثرت موجود تھے۔ ہمارے اپنے گھر کے ماحول کو میوزک، فلم سے کوئی سروکار نہ تھا۔ لیکن کبھی ریڈیو کی آواز ذرا اونچی ہوتی تو ہمارے ہمسائے میں رہائش رکھنے والے بزرگ سلسلہ پروفیسر بشارت الرحمان صاحب دروازے پر دستک دے کر توجہ دلا دیا کرتے۔ اس ماحول میں پرورش پانے والے نوجوانوں کی شناخت دوسروں سے یقیناً مختلف تھی۔ الیکٹرونکس نے جس تیزی سے ترقی کی ہے اس نے دنیا کا ماحول بدل کر رکھ دیا ہے۔ احمدی نوجوان کی ماضی کی پہچان کو برقرار رکھنے کے لئے نظام سلسلہ کبھی بھی غافل نہیں رہا۔ قادیان کے جلسہ سالانہ 2022ء پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا اختتامی خطاب ہم سب کو اپنی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کر رہا ہے۔ خدا کرے کہ ہماری آنے والی نسلیں اس ماحول سے غفلت برتنے والی نہ ہوں جو ایک احمدی کی میراث اور پہچان چلا آ رہا ہے۔

مکرم فرید عارف صاحب اور مکرم چودھری ظہیر صاحب بھی ایک دو راتیں باہر گزار کر مشن ہاؤس لَوٹ آئے۔ مکرم انوری صاحب نے ہمارے کانوں سے یہ بات گزار دی کہ مشن ہاؤس میں تین ماہ سے زیادہ مہمان نوازی عملاً ممکن نہیں اور مہمان کو خود اس کا خیال ہونا چاہیے۔ میرے دونوں ساتھی یہ مدّت پوری کر چکے تھے اس لئے ایک ہفتہ کے اندر اندر نئی قیام گاہ میں منتقل ہو گئے۔ مَیں بھی تین ماہ پورے ہونے سے قبل یکم مارچ کو ملک مسیح الدین شاہد ابن مکرم ملک رفیق احمد صاحب مرحوم سابق افسر حفاظت خاص (جو زندگی کا بیشتر حصہ صدر محلہ دارالصدر حلقہ مسجد قمر رہے) والی بلڈنگ میں منتقل ہوگیا۔ لیکن بلاناغہ روزانہ مسجد جانے کی روایت برقرار رکھی۔ جس کا فائدہ یہ ہوا کہ مکرم انوری صاحب سے روابط وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتے رہے۔

مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کا پہلا اجتماع

ابھی تک جرمنی میں صرف دو جماعتیں تھیں اس کی وجہ ہمبرگ اور فرانکفرٹ میں مساجد اور مشن ہاؤسز کی موجودگی تھی۔ اس کے علاوہ عارف خان صاحب ہنوور، سلیم صاحب بون کے قریب St.Augesstein اور خواجہ منیر احمد صاحب Würzburg میں رہائش رکھتے تھے۔ ہمبرگ میں پہلی بار 1961ء میں اور فرانکفرٹ میں 1962ء میں مجلس خدام الاحمدیہ کی ابتداء کی گئی تھی۔ چونکہ خدام کی تعداد بہت تھوڑی تھی اس لیے اس تنظیم کا موثر تشخص نہ تھا۔ تاہم 70ء کی دہائی کے آغاز میں ہمبرگ میں مجلس خدام الاحمدیہ متحرک ہو چکی تھی اور مکرم سردار لطیف احمد صاحب قائد مجلس تھے۔ لیکن وہ جلد امریکہ منتقل ہو گئے اور ان کے بعد ابھی تک نئے قائد کا انتخاب نہ ہوا تھا اور نہ ہی یہ علم تھا کہ جرمنی میں احمدیوں کی تعداد کیا ہے۔ چنانچہ 1972ء میں جب فرانکفرٹ میں خدام کی تعداد بڑھنے لگی تو اس تنظیم کا نئے سرے سے قیام ہوا۔ مبلغ انچارج جو بلحاظ عہدہ نائب صدر خدام الاحمدیہ بھی تھے، نے مکرم عبدالرؤف خان صاحب کو قائد مجلس اور خاکسار کو معتمد نامزد کیا۔ ماہ مارچ میں موسم کھلنے پر خدام کی میٹنگ بلائی گئی۔ یہ وہ وقت تھا جب ہر اتوار کو سب احمدیوں کا مشن ہاؤس میں جمع ہونا ایک معمول تھا۔ تعداد ہی کیا تھی۔ انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی۔ اسی میٹنگ میں فیصلہ ہوا کہ مجلس خدام الاحمدیہ کا سالانہ اجتماع شروع کیا جائے چنانچہ 9 تا 11 جون 1973ء کو پہلا اجتماع مسجد نور فرانکفرٹ میں منعقد ہوا۔